اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں

حدیث کا بنیادی کردار

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریات اسلام
ا-کے-۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں

حدیث

کا بنیادی کردار

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ

مجلس نشریات اسلام

۱۔کے ۳۰ ناظم آباد مینشن ۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی ومجلس علماء دارالمصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطۂ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب ـــــــــ اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل میں حدیث کا بنیادی کردار
تصنیف ـــــــــ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت ـــــــــ القادر پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت ـــــــــ ۴۸ صفحات
ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۷

اسٹاکسٹ : مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر۔ اردو بازار کراچی

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست عناوین

"اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہٗ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ

پیش نظر رسالہ رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے توسیعی خطبات کی ایک کڑی ہے، رابطہ ہر سال موسم حج میں مختلف ممالک کے ممتاز اہلِ علم و اہل نظر کے مطالعہ و تحقیق اور افکار و خیالات سے موسم حج میں آئے ہوئے صاحبِ ذوق حُجاج اور مکۂ معظمہ کے اہلِ علم و طلب کو مستفید ہونے کا موقع دیتا ہے، اور رابطہ کے مرکز کے وسیع کانفرنس ہال میں ان کی تقریروں اور مقالات کے سنانے کا انتظام کیا جاتا ہے، اس سال (۱۴۰۱ھ) اس کے سکریٹری جنرل معالی الشیخ محمد علی الحرکان نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اس سال کے دورۂ محاضرات کا افتتاح کروں، اور "حُجیت حدیث" پر مقالہ پڑھوں، میں نے شکریہ کے ساتھ یہ دعوت قبول کی، لیکن موضوع میں کسی قدر ترمیم کی تجویز پیش کی کہ حُجیتِ حدیث کے موضوع پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے، خاص طور پر ہمارے فاضل دوست اور مجاہد داعیِ دین ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی کی فاضلانہ و محققانہ کتاب "السُنّۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" اس موضوع پر کافی وافی ہے، میں نے اپنے لئے "اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" کا موضوع منتخب کیا، شیخ محمد علی الحرکان اور محاضرات کی تنظیمی مجلس نے میرے اس خیال سے اتفاق کیا، اور مجھے اس موضوع پر لکھنے اور بولنے کی اجازت دی، یہ مقالہ سہ شنبہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ

(۱۳ر ستمبر ۱۹۸۱ء) کی شب میں پڑھا گیا، اس موقع پر متعدد علمائے مکہ وجامعہ ملک عبد العزیز کے اساتذہ اور اہلِ علم اور اہلِ ذوق حجاج کی ایک متعدبہ تعداد موجود تھی۔

اس مقالہ میں ایک نئے زاویۂ نگاہ اور ایک نئے اسلوب سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدیث مسلمانوں کی زندگی میں کیا مقام رکھتی ہے، امت کو سنت کی کس قدر ضرورت ہے اور اس امت کے سنت مطہّرہ سے رشتہ منقطع ہو جانے اور حدیث نبوی کے سرمایہ سے محروم ہو جانے میں امت کا کتنا بڑا خسارہ اور وجود اسلامی کے لئے کتنا بڑا خطرہ مضمر ہے، حدیث کے سند و حجت ہونے کے بارے میں شک وشبہ و بے اعتمادی پیدا کرنے کی عالم اسلام کے بعض گوشوں میں جو تحریک چل رہی ہے وہ اسلام کے خلاف کتنی گہری اور خطرناک سازش ہے اور اس کے پیچھے کون سے مقاصد و محرکات سرگرم عمل ہیں۔

اس مقالہ میں بار بار لکھی اور کہی ہوئی چیزوں اور دلائل کے اعادہ سے احتراز کیا گیا ہے کہ اس پر ایک پورا کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، راقم نے اپنے اس مقالہ میں اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن و نفسیات کی رعایت کی ہے جس کی ذہنی تربیت و معلومات مغربی مصنفین اور مستشرقین کی کتابوں کے ساختہ پرداختہ ہیں، اور جو دقیق علمی بحثوں اور فنی اصطلاحات و تفصیلات سے نہ صرف نامانوس بلکہ متوحّش ہے، جس کی زبان وقلم پر اکثر یہ سوال آتا رہتا ہے کہ حدیث کی علمی قیمت و افادیت کیا ہے؟ وہ ایک مسلمان کی عملی زندگی کے لئے کیوں ضروری ہے؟ اس کے نہ ہونے یا اس سے صرفِ نظر کر لینے سے ہماری اجتماعی زندگی اور مسلم معاشرہ میں کیا خلا واقع ہوتا، اور کیا نقص لازم آتا ہے؟ یہ سوال کبھی بے تکلفی کے ساتھ زبان وقلم پر آجاتا ہے اور کبھی دل و دماغ کی خلش بن کر سینوں میں نہاں رہ جاتا ہے، راقم سطور نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے، اس کو امید ہے کہ

اس سے وہ "حسابی ذہن" بھی مطمئن ہوگا، جو نظریات اور عقلی احتمالات سے بالعموم گریز کرتا ہے، اور صرف واقعات و حقائق کے سامنے اور ریاضی کے بدیہی نتائج کے طرز کی چیزوں کے سامنے سپر ڈالنے کا عادی ہے، اس مقالہ میں جو کوئی مستقل تصنیف اور علمی و تحقیقی کتاب کی حیثیت نہیں رکھتا، مسئلہ کا حقیقت پسندانہ، انسانی نفسیات، زندگی کے حقائق اور تاریخ کی ناقابل انکار شہادتوں کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے، امید ہے کہ وہ سب حضرات جو حدیث کی ضرورت و افادیت کو تعصبات و مفروضات سے خالی الذہن ہو کر خلوص، صدق طلب اور سلامت فکر کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں، انشاء اللہ اس مقالہ سے مطمئن ہوں گے، اور شاید ان کو مزید مطالعہ اور حدیث و سنت کے قیمتی سرمایہ کو قدر و عظمت کی نظر سے دیکھنے کی توفیق ہو۔

راقم السطور نے اس موضوع کے بعض پہلوؤں پر عرصہ ہوا اردو میں بھی کچھ لکھا تھا،[1] اس اردو ایڈیشن میں اس کو بعینہ لے لیا گیا ہے، جو حصہ اردو میں نہیں تھا، اصلاً عربی ہی میں لکھا گیا اس کا ترجمہ عزیزی مولوی سید سلمان ندوی سلمہ (مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء) نے جو سفر حجاز میں راقم کے ساتھ تھے، بڑی خوبی سے کیا، اب یہ رسالہ اردو داں حضرات اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کی خدمت میں "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ" کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے، خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں مؤثر و کامیاب ثابت ہو، اور اس کو حدیث و سنت کی خدمت کے مبارک و زریں

---

[1] اس کا ایک حصہ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی مقبول کتاب "معارف الحدیث" جلد دوم کے مقدمہ میں (جو راقم سطور کے قلم سے ہے) شامل ہے۔ (ص ۱۱ تا ۲۰)

سلسلہ میں کوئی جگہ مل جائے کہ اس سے بڑھ کر مصنف کے لئے سعادت و مسرت کی کوئی بات نہیں۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ
رائے بریلی

۲۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ
۲۲ر نومبر ۱۹۸۱ء

اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں
حدیث کا بنیادی کردار

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

بعثت محمدی کے مقاصد اور شعبہ ہائے چہارگانہ

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت وتعلیم کے مقاصد ونتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، وہاں صراحتہً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے (۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفس۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝[1]

وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرمایا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور بےشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور

---

[1] سورۃ الجمعہ ۔ ۲

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝[1]	تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم وحکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات وکیفیات، نیا یقین وایمان، نیا ذوق وشوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد وقناعت، دنیا کی متاعِ حقیر اور دولتِ فانی کی تحقیر، نئی محبت والفت، حسن سلوک وہمدردی، بِرّ ومواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف وخشیت، توبہ وانابت، دعا وتضرّع کی دولت عطا فرمائی، اور انھیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو "عہد رسالت" اور "عہد صحابہؓ" کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابۂ کرامؓ ان مقاصد ونتائجِ بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے اگر ان شعبہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

وہ عناصر وعوامل جنھوں نے صحیح اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل کی

یوں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ورسالت وتعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اس سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع ووسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیّر العقول

[1] سورۃ البقرہ - ۱۵۱

انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔

۲۔ قرآن مجید۔

۳۔ آپ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں، وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے، صحابۂ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق، اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں، وہ تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے، جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے، جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے، اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیاتِ طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاجِ خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

صحابۂ کرامؓ کی اسلامی زندگی میں ذوق، مشاہدہ اور صحبت کا حصہ

صحابۂ کرامؓ نے قرآن مجید سے "اقامۃ صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا اور "اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ"[1] کی تعریف بھی سنی تھی، مگر انھوں نے اس کی صحیح کیفیت اسی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی، جس کو انھوں نے "نسمع لہ ازیزاً کازیز المرجل من البکاء"[2] (ہم آپ کے سینہ کی آواز فرط گریہ سے اس طرح سنتے تھے، جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انھوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک انھوں نے زبان نبوی سے "وجعل قرۃ عینی فی الصلاۃ"[3] (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ "یابلال اقم الصلاۃ، ارحنا بھا"[4] (بلال نماز کی اقامت کہہ کر مجھے آرام پہونچاؤ) نہیں سنا، ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انھوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں "ورجل قلبہ معلق فی المساجد"[5] (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے، ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا، انھوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا، اور تضرع و ابتہال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اس کی حقیقت انھوں نے اس وقت جانی جب انھوں نے میدانِ بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ "اللھم انشدک عھدک ووعدک اللھم ان شئت

---

[1] المؤمنون ۔۲ [2] ابوداؤد، ترمذی [3] نسائی [4] ابوداؤد [5] بخاری و مسلم

لم تعبد[1]" (اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے۔ اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا۔ تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا "حسبك" (یارسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے، اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے، لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انھوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا:۔

اللهم انك تسمع كلامي وترى مكاني	اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے، اور میری جگہ
وتعلم سرّي وعلانيتي لا يخفى	کو دیکھتا ہے، اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو
عليك شئ من أمري، وأنا البائس	جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں
الفقير المستغيث المستجير الوجل	رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں
المشفق المقر المعترف بذنبي أسألك	فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں،
مسألة المسكين، وابتهل إليك ابتهال	ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے
المذنب الذليل، وأدعوك دعاء	والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے
الخائف الضرير، ودعاء من خضعت	آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے
لك رقبته، وفاضت لك عبرته،	ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار
وذلّ لك جسمه ورغم لك أنفه،	و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب
اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا	کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا
وكن لي رؤفا رحيما، يا خير المسئولين	ہے، اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی۔

ویا خیر المعطین۔[1]

گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے
آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ
تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی
ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو اے اللہ تو
مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ،
اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم
کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں
سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

قرآنی اخلاق

قرآن کے مخاطبین اولین نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقتی و بے ثباتی اور آخرت کی اہمیت اور پائیداری کا ذکر پڑھا تھا، اور "وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ"[2] (اور دنیا کی یہ زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی، اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے، اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور "اللھم ان العیش عیش الآخرۃ"[3] پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے، اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب،

---

[1] کنز العمال عن ابن عباسؓ [2] الروم - ۶۴ [3] صحیح بخاری "کتاب المغازی"

اور جنت کے انعامات ولذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق وتعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحبِ زبان بھی تھے، اور قرآن مجید میں صاحبِ نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء واصحاب اہلِ خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا، اور آپ کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سنے، ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی، مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنائز، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں، اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین واہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں، جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع وبدیع مقام تک پہونچتا جس کا اظہار حدیثِ نبوی "ان من ابر البر صلۃ الرجل أھل وُدّ أُبیہ بعد أن یولّی"[1] (فرزند کے حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل بیت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہونچ سکتے، جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے "وربما ذبح الشاۃ ثم یقطعھا أعضاء ثم یبعثھا فی صدائق خدیجۃ"[2] (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے

---

[1] صحیح مسلم [2] بخاری، مسلم

الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہؓ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے۔

حدیث کے شعبۂ معاشرت واخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں، جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

احکام پر بسہولت عمل کرنے کے لئے مناسب ماحول اور سازگار فضا کی ضرورت

دوسری طرف مذاہب وادیان کی تاریخ کا یہ طویل ومسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو موثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کرسکتا جو نماز کی روح وجسم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج واثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون ومددگار ہے، اس کے لئے ان مبادی ومقدمات، آداب وہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع ومؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور وتعقل، خشوع وخضوع، سکوت وقنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری وقابلِ عمل حد تک جس قدر آداب وفضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا، وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی واجتماعی واخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث وسیرت کا مطالعہ کرنے والے، اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات وہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے،

جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق، نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت، اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان و اقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلّم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب، اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیۂ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقّت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہونچ جاتی ہے، اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہیئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے، اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو ابھارنے ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور

ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

قدیم مذاہب نے کس طرح اپنے انبیاء کے صحیح احوال و اقوال کو گم کر دیا؟

درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے، جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالاتِ زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں رہا تھا، اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروانِ مذاہب دینی نشو و نما اور روحانی بالیدگی حاصل کرتے، اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے، انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروانِ مذاہب و پیروانِ طریقت کے واقعات و ملفوظات سے پُر کیا، مگر اس "خانہ پُری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا، جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی، ان مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعاتِ زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت بن گئی ہے۔

خلا کو پُر کرنے کی کوشش اور بزرگوں کے "حکایات و ملفوظات" کے مجموعے

اسی مقصد کے تحت تلمود[1] کے صحیفے تیار ہوئے اور یہودیوں کا اس کی تلاوت و شرح اور مطالعہ سے اس قدر اشتغال بڑھا کہ توراۃ کی حیثیت ثانوی رہ گئی، علمائے یہود کے ایسے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں جو تلمود کو عہد قدیم کے صحیفوں پر ترجیح دیتے ہیں تلمود کے ان صحیفوں میں طبعی طور پر اور بے بنیاد یہودی افکار اور خارجی اثرات قبول کرنے والے پست یہودی معاشرہ کے اثر سے بہت سے ایسے قصے کہانیاں داخل ہوگئیں جن کا تعلق محض خیال آرائی یا خوش اعتقادی اور اوہام پرستی سے ہے ان پر خدا کا یہ فرمان صادق آتا ہے "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ"[2] (اور انھوں نے خدا کی قدر جیسی جاننی چاہئے تھی نہ جانی) عیسائیوں نے اپنے طور پر مختلف کتابیں تالیف کیں اور عہد جدید کے صحیفوں میں ان کا اضافہ کر دیا، اضافہ شدہ کتابوں میں "رسولوں کے اعمال" "پولس رسول کے خطوط" "پطرس کے خطوط" "یوحنا کے خطوط" اور "یوحنا عارف کا مکاشفہ" وغیرہ ہیں[3]۔

برہمن اور قدیم ہندو مذہب کے پیروؤں کا زیادہ تر شغف "گیتا" سے رہا جو شری کرشن جی کے ملفوظات و اقوال پر مشتمل ہے، اسی طرح "رامائن" سے جو رام چندر جی کے تذکرہ اور حکایات کا

---

[1] تلمود مشنا اور جیمارہ کا مشترک نام ہے جو زبانی شریعت اور یہودیوں کے دو مرت رسم و رواج اور عادات پر مشتمل ہے تلمود کے نسخے جو... زیادہ سے زیادہ بڑی تقطیع پر بارہ جلدوں میں ہیں تفاسیر و حواشی پر مشتمل ہیں اور کثرت ہیں (دائرۃ المعارف للبستانی) جیویش انسائیکلوپیڈیا میں ذکر کیا گیا ہے کہ تلمود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وثنیت (بت پرستی) میں یہودیوں کے لئے بڑی کشش پائی جاتی تھی جیویش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۱،۱۲: ص ۵۶۸ -- ۵۶۹

[2] الحج ۷۴ [3] ملاحظہ ہو کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ (مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور) صفحہ ۱۱۰ -- ۲۶۲

مجموعہ ہے نیز مہابھارت اور اسی طرح کے جنگی قصوں اور شاہناموں سے رہا، یہی حال ایرانی مجوسیوں کا "اوستا" کی شرح "زندافیست" کے ساتھ ہے۔

یہ کتابیں ان مذاہب کے ماننے والوں اور ان قدیم مذاہب کو اپنے ابتدائی مبلغین اور داعیوں کی تعلیمات، ان کی زندگی و کردار، ان کے حقیقی رجحانات سے واقف کرانے، ان کی زندگی اپنانے، ان کے اسوہ پر عمل کرنے اور ان کی دعوت و عقیدہ کی حفاظت کا جذبہ بیدار کرنے سے قاصر رہیں، بلکہ انھوں نے فائدہ کم نقصان زیادہ پہونچایا، اور یہی کتابیں ان قوموں کے دینی ذوق کے فساد، ان کی فطرت کے انحراف اور ہر اس چیز کی (جو تخیل پر مبنی حقیقت سے بہت دور اور فطرت سلیم سے ٹکرانے والی ہو) تقدیس و تعظیم و پرستش کی ذمہ دار ہیں، ان قوموں کے ادب و زبان، ان کے خیالات و تصورات، ان کے معاشرے اور خواہشات و رجحانات پر ان کتابوں کا گہرا اور دور رس اثر پڑا، اور اب بھی قائم ہے، ان کتابوں نے تدریجی طور پر ان مذاہب کو بدعتوں، خرافات، دور از کار تاویلات اور انتہا پسندانہ نت نئی شروح و تفسیرات کا ایسا معجونِ مرکب بنا دیا جس میں ان مذاہب کی حقیقی تعلیمات اس طرح گم ہو گئیں جیسے سمندر میں سرکہ کا ایک قطرہ۔

انبیائے سابقین کی سیرتوں اور حدیث و سیرتِ نبویؐ کا ایک سرسری موازنہ

خدا کی یہ مصلحت و حکمت، انبیائے سابقین کے سیر و حالات اور سیرتِ نبویؐ کے تقابل و موازنہ سے آشکارا ہوتی ہے، جب انسان اس سیرت اور دوسرے انبیاء کی سیرتوں کا تقابل اور موازنہ کرتا ہے تو اسے وہ قدیم سیرتیں امم سابقہ کے جہل و تغافل اور تاریخ کے خونی حوادث کی تاریکیوں میں گم نظر آتی ہیں، اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انھوں نے خاص زمانہ میں

ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور مشعل راہ کا کام کیا، لیکن ہمیشہ ان کے محفوظ رہنے اور قیامت تک کی نسلوں تک بے کم وکاست پہونچنے کی عملاً کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کے لئے ہمیں حضرت مسیحؑ کی سیرت کا مطالعہ ہی کافی ہے، حضرت مسیحؑ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آخری نبی ہیں، اور ان کی حلقہ بگوش ایک ایسی امت ہے، جس کا علمی و تصنیفی شغف تمام دنیا پر روشن ہے، اسی کے ساتھ اس کی محبت وعقیدت اپنے پیغمبر سے غلو ومبالغہ کی حد تک پہونچی ہوئی ہے، اور اس نے ان کو بشریت کے دائرہ سے نکال کر الوہیت کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، لیکن وہ بھی دنیا کے سامنے اپنے نبی کے صرف ایسے مختصر اور ادھورے معلومات ہی پیش کر سکی، جو کسی طرح ایک مکمل انسانی زندگی کی تصویر نہیں بناتے جسے انسان اپنی نجی زندگی میں سامنے رکھے، یا جس کی روشنی میں کوئی صالح معاشرہ وجود میں آسکے، ابھی کچھ دنوں پہلے تک مسیحی دنیا کا خیال تھا کہ "عہد جدید" یعنی انجیل، سیرت مسیحؑ کے آخری تین ۳ سال کے واقعات پر مشتمل ہے، لیکن اب محققین اور اس موضوع کے ماہرین اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کے پچاس ۵۰ دنوں سے زیادہ کے واقعات و معلومات کا مواد نہیں۔

فاضل پادری ڈاکٹر چارلس انڈرسن اسکاٹ (CHARLES ANDERSON SCOTT) انسائکلوپیڈیا برٹانیکا میں اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

"یسوع کی سیرت لکھنے کی کوشش ہی سے صاف صاف دستبردار ہو جانا چاہئے، اس کے لئے سامان ہی موجود نہیں ہے، یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ جتنے ایام زندگی کے متعلق کچھ معلومات موجود ہیں، ان کی تعداد پچاس ۵۰ سے زیادہ نہیں[1]"

---

[1] جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۱، چودھواں ایڈیشن۔

دوسرے انبیاء اور پہلے مذاہب کے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے واقعات اور نقوشِ حیات ماضی کے ملبے کے نیچے دفن ہوگئے ہیں، اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن کے بغیر تاریخ مکمل ہی نہیں ہوسکتی، اور جن کے بغیر اتباع و اقتداء کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جاسکتا) اس طرح گم ہیں کہ اب انھیں پانا ممکن نہیں[1]، اور یہ بات حکمت الٰہیہ کے عین مطابق اور نظام عالم کے قوانین کے بالکل موافق معلوم ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کرداروں کی (جو نمونہ و مثال اور آئیڈیل کا کام دیں) ایک محدود عمر ہوتی ہے، جس کے ختم ہوجانے پر ان اقدار کو نسل بہ نسل منتقل کرنے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی، لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور دائمی ہوتی ہے، تو وہ زمان و مکان کے انقلابات کے باوجود باقی رہتی ہیں، ان کا تسلسل قائم رہتا اور وہ سدابہار و زندۂ جاوید بن جاتی ہیں، جن کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گزاری، حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کرکے دفعتاً اس ماحول میں پہونچ جائے، جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں، جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف تکلم اور صحابۂ کرامؓ گوش برآواز ہیں، جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں، اور عمل کی شکلوں کے ساتھ جذبات و کیفیات کے مناظر بھی نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق، اور یقینِ آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے، یہ ایک دلچسپ

---

[1] تفصیل کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی کی گرانقدر کتاب "خطبات مدارس" کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا خطبہ ملاحظہ ہو۔

جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات آپ کے گھر والوں کی معاشرت و معیشت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے، آپ کے سجود کی کیفیت آنکھوں سے، اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے، پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان اس کثرتِ عبادت کی وجہ پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ افلا أکون عبداً شکوراً[1] (کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں؟ جن آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا، جنھوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے پہلے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے ہوئے دیکھا، اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت، اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت، اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا، وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا!

پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے، بلکہ صحابۂ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے "دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز" ان کا بازاروں کی مصروفیت، اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی و للّٰہیت، اور ان پر نفس انسانی کے حملے، ان کا

---

[1] بخاری، مسلم

انقیادِ کامل، اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں، یہاں ابوطلحہ انصاریؓ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گذرتا ہے، جب انھوں نے بہانہ سے چراغ بجھا کر مہمانوں کو شکم سیر اور خود کو بھوکا رکھا[1]، حضرت کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی سامنے آتا ہے، جس میں انھوں نے اپنی کوتاہی کا بے تکلف اقرار کیا ہے کہ وہ محض "آج کل" اور ذرائع سفر کے موجود ہونے کی بناء پر اطمینان کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کے ساتھ نہ جاسکے، پھر توبہ کی قبولیت اور اعلانِ عفو سے پہلے ان کی وفاداری اور استقامت کا جس طرح امتحان ہوا، اور ان کے قلبِ محبت آشنا پر جو گزری اس کی انھوں نے بے کم و کاست روداد سنائی[2]۔

اسی طرح ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اپنی زندگی کا سب سے نازک، زہرہ گداز اور قیامت خیز واقعہ (واقعۂ افک) اپنی ذاتی و خاندانی صداقت و جرئت، اور عربی بلاغت و قدرت بیانی کے ساتھ سناتی ہیں جس میں لطیف و غیور نسوانی شعور و احساسات، ایمان و اعتماد، اور رضا و تفا کی کیفیتیں بیک وقت اس طرح جھلک رہی ہیں کہ ادب و تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، اسی کے ساتھ ان کے والد ماجد ابوبکر صدیقؓ کے صبر و تحمل اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں ایثار و قربانی کی وہ مثال ملتی ہے، جس سے مکارمِ اخلاق کے دفتر خالی ہیں[3]، اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ کی ایک بشری لغزش اور اجتہادی غلطی (جو فتح مکہ کے موقعہ پر پیش آئی تھی) احادیث صحیحہ کے اس دفتر میں چھپائی نہیں گئی کہ وہ بھی ایک زندہ انسانی معاشرہ کا پہلو اور فطرت انسانی کا خاصہ ہے، جس سے سیکھنے والے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، اسی کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

---

[1] بخاری و مسلم نیز ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر آیت "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر ۹)

[2] صحیح بخاری کتاب المغازی۔ [3] ایضاً

بے پایاں عفو سابقہ خدمات اسلامیہ کی قدر و اعتراف، اور اپنے خدام وجاں نثاروں کی طرف سے مدافعت کا نمونہ بھی سامنے آتا ہے، جو سیرت ودعوت دونوں کے صحیفوں میں نمایاں جگہ پانے کے قابل ہے اور قائدین و مصلحین کے لئے چراغ راہ اور نشان منزل کا حکم رکھتا ہے[1]، غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات وحقائق، اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے، اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبویؐ کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبویؐ کی اس تصویر کا باقی رہنا، اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا، اسلام کا ایک اعجاز، اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب، اور کوئی امت اس کی شریک وسہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا، اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ، اور عمل کے جذبات ومحرکات، اور قلب و دماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی "جدت" نہیں ہے، صحابہ کرامؓ کا عہد نبویؐ ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انھیں کے آخر دور میں تابعین کا تدوین وترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران وخراسان وترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع وحفظ حدیث سے عشق وشغف، ان کا غیر معمولی حافظہ، ان کا عزم وعالی ہمتی، پھر اسماء رجال وفن روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخہ، اور بصیرت کاملہ حاصل تھی، پھر ان کا انہماک وخود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ، اور اس کی عالم اسلام میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب المغازی۔

مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو بھی محفوظ کرنا مقصود تھا۔

کتب حدیث و سیرت کی صحت و استناد اور ان کی جامعیت و احتواء

مولانا سید سلیمان ندوی اپنی بے نظیر کتاب "خطبات مدراس" میں لکھتے ہیں:۔

"جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب (APOLOGY FOR MOHAMMAD & THE QURAN) (محمد (صلعم) اور قرآن سے معذرت) لکھی ہے، اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں۔"[2]

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ (BOSWORTH SMITH) فیلو آف ٹرینٹی کالج اوکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمڈ اینڈ محمڈنزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لکچر دیئے تھے، اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں، ان میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:۔

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی (ابتداء نامعلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے، وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے، جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں، ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، ان کی نسبت جنھوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی فاضلانہ تصنیف "تدوین حدیث" شائع کردہ مجلس علمی، کراچی۔ [2] کتاب مذکور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں، ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں، جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں، موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں، جو ہم امبرلیس (AMBROSE) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں، ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیس[۳۰] برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین[۳] سال کے لئے راستہ تیار کیا، جو کچھ ہم جانتے ہیں، اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے، اور شاید اور بہت زیادہ کرے، ایک "آئیڈیل لائف" جو بہت دور بھی ہے، اور قریب بھی، ممکن بھی ہے، اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے، جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیحؑ کی ماں، مسیحؑ کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع، یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے۔

لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں، جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، میتھالوجی، فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کئے جا سکتے ہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے، اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے، اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔[۱]

---

[۱] ص ۱۴، ۱۵ مطبوعہ ۱۸۸۹ء (ماخوذ از خطبات مدراس ص ۶۸-۶۹)

پھر صرف صحت و استناد کا معاملہ نہیں، کتب حدیث اتنی واضح، مفصل اور دقیق معلومات پر مشتمل ہیں، جن سے زیادہ کا تصور نہ انسانی عقل کر سکتی ہے، اور نہ انسانی تاریخ کے عظیم افراد کے (جس میں انبیاء و مرسلین بھی شامل ہیں) حالات و واقعات کے محفوظ رکھنے کی کوششوں کا طویل تجربہ اس کی تائید کرتا ہے، سیرت کی کتابوں سے قطع نظر صرف حدیث و شمائل کی کتابوں پر ایک سرسری نظر ڈال لینا ہمارے مدّعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، قارئین صرف انہی احادیث کا جائزہ لے کر دیکھیں جو کتب صحاح میں حجّۃ الوداع کے متعلق آئی ہیں، ان کو ان میں ایسی جزئیات و تفصیلات ملیں گی، جن کی کسی قریبی شخصیت کے حالات و واقعات کے دفتر سے بھی توقع مشکل ہے، ان کو ان روایات سے معلوم ہوگا کہ کیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِحرام کے وقت خوشبو لگائی، اور کس نے لگائی، اور یہ کس قسم کی خوشبو تھی، اور کس طرح آپ نے (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے قربانی کے جانور کو علامت کے طور پر کچوکہ لگایا[1]، اس کی تفصیل اور جگہ کی تعیین کا بھی علم ہوگا کہ آیا کوہان کے دائیں جانب کچوکہ لگایا یا بائیں جانب، اور پھر کیسے خون پونچھا، اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ کیسے آپ نے پچھنا لگوایا[2] اور جسم مبارک کے کس حصہ پر لگوایا اور کہاں اور کس جگہ پر لگوایا، مدینہ اور مکہ کے درمیان کہاں کہاں آپ اترے، سفر میں کتنے دن لگے، یہ ساری معلومات اور اس طرح کی تمام تفصیلات و جزئیات آپ کو حاصل ہو سکتی ہیں، حالانکہ اس زمانہ میں نہ بیاض رکھنے کا رواج تھا، نہ روزناموں اور ڈائری لکھنے کا معمول، لیکن کوئی بھی معمولی سے معمولی واقعہ ایسا نہیں جو راویوں سے رہ گیا ہو، یہاں تک کہ آپ کو اس سانپ کا قصہ بھی معلوم ہوگا جو اس بھرے مجمع میں نکلا اور بچ کر نکل گیا، مارا نہ جا سکا، آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ اس سفر میں

[1] حدیث و فقہ کی اصطلاح میں اس کو "اِشعار الھَدی" کہتے ہیں [2] عربی میں اس کو احتجام کہتے ہیں۔

سواری پر کس کو بٹھایا، اور اپنا ردیف بنایا، حلاق کا کیا نام تھا، آپ نے موئے مبارک کس طرح تقسیم فرمائے کس کو دائیں حصے کے عنایت فرمائے اور کس کو بائیں حصہ کے، اس کے علاوہ عرفات و منیٰ میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خطبات و فرمودات اور وصیتیں جو بے کم وکاست محفوظ کی گئیں اور آپ کے اس حکم کے مطابق "الا فلیبلغ الشاھدُ الغائبَ فربّ مبلَّغ أوعی من سامع"[۲] ان لوگوں تک بھی پہونچ گئیں، جو اس موقع پر موجود نہ تھے، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

حدیث مسلمانوں کی مستند زندگی کے معیار و میزان کی حیثیت سے

حدیث نبوی ایک ایسی صحیح میزان ہے، جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اسلامت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تول سکتے ہیں، اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات و انحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر حدیث نبوی کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں، اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ امت افراط و تفریط

---

[۱] صاحب "نسیم الریاض" نے ان خوش نصیب اصحاب کے نام بیان کئے ہیں جن کو حیات نبوی میں یہ شرف حاصل ہوا ہے، ان کی تعداد ۳۸ بیان کی ہے، مشہور محدث ابن مندہ نے اس تعداد میں اضافہ کیا ہے۔

[۲] جو شخص اس حج کے موقعہ پر موجود ہے وہ میری ہدایات و اقوال کو ان لوگوں تک پہونچادے جو موجود نہیں، بالکل ممکن ہے کہ جس نے بالواسطہ سنا ہو وہ اس سے زیادہ ان کا سمجھنے اور یاد رکھنے والا ہو جو موقعہ پر موجود تھا اور بلا واسطہ سن رہا تھا۔

کا شکار ہو کر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[1] (یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے) اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے "قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ"[2] (آپ کہدیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا) یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے، اور جس سے وہ زندگی اور قوت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے، اور یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان، بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث، احتساب امت کا ایک طاقتور ذریعہ اور مصلحین و مجددین امت کی ایک تربیت گاہ

حدیث نبوی زندگی، قوت، اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے، اور ہمیشہ اصلاح و تجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آرا، اور برسر جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے، اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہو کر میدان میں آئے اور بدعتوں اور خرافات، اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی، اور دین خالص، اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب و تدوین، حفظ اور نشر و اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، علمی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

---

[1] الاحزاب - ۲۱ [2] سورۂ آل عمران - ۳۱

سنت نبوی اور حدیث نبوی کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انھیں سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انھیں احادیث سے انھوں نے استدلال کیا اور دین و اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی، بدعتوں، فتنوں اور شر و فساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوت محرکہ و دافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلام کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے، اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات، نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

تاریخ کی معتبر شہادت اور اصلاح و تجدید کی تحریکوں میں حدیث و سنّت کا بنیادی حصہ

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنّت کی کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی، اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت، نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مربیوں کی کثرت، دنیا میں زہد اختیار کرنے اور کسی حد تک سنت پر عمل کرنے کے باوجود اس مسلم معاشرہ میں جو علوم اسلامیہ کے ماہرین اور فلسفہ و حکمت کے اساتذۂ فن اور ادباء و شعراء سے مالامال تھا، اور اسلام کے قوت و غلبہ اور مسلمانوں کی حکمرانی میں زندگی گذار رہا تھا، نت نئی بدعتوں عجمی رسم و رواج، اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کر دیا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس بن جائیگا اور رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اور حدیث حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ "لتتبعنّ سنن من کان قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراع"[1] (تم پچھلی امتوں کے راستوں پر قدم بقدم چلو گے) اس وقت اصلاح کی آواز خاموش، اور علم کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے، جبکہ برصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنّت کے صحیح آخذ و مراجع سے تعلق تقریباً منقطع ہو گیا تھا، علم دین کے مراکز، اور حجاز و یمن، مصر و شام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا درس ہوتا تھا، کوئی رابطہ نہ تھا، اور کتب فقہ، اصول اور ان کی شروح اور فقہی باریکیوں اور موشگافیوں، اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، آسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دور دورہ تھا، منکرات عام ہو گئے تھے، اور عبادتوں اور تقرب الی اللہ کی کتنی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے۔

راقم الحروف نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصۂ چہارم میں دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور و مقبول شیخ طریقت شیخ محمد غوث گوالیاری کی کتاب "جواہر خمسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

> "گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری، اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی، اور علامہ علی متقی برہان پوری، اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے، (دسویں صدی ہجری میں) ہندوستان صحاح ستہ، اور ان مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا، جنھوں نے نقد حدیث اور ردّ بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا

---

[1] مستدرک حاکم۔

نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جا سکتا ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر، اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں، جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے[1]۔"

یہ صرف "جواہر خمسہ" کی خصوصیت نہیں، بزرگوں کے ملفوظات کے غیر مستند مجموعوں میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی کا عام رواج تھا قبروں کو کھلے طریقہ پر سجدہ گاہ بنا لیا گیا تھا، ان پر چراغ جلائے جاتے تھے، چادریں چڑھائی جاتی تھیں، ان کے گرد و پیش کا ادب حرمِ مکی کی طرح کیا جاتا تھا، عرس و فاتحہ کے نام سے طرح طرح کے جشن منائے جاتے تھے، جن میں بہت بڑی تعداد عورتوں کی ہوتی تھی، صلوٰۃِ غوثیہ، صلوٰۃ معکوس، نذر لغیر اللہ، اولیاء و صلحاء کے نام پر، اور ان کی رضامندی کی نیت سے ذبح و قربانی، غیر اللہ کے نام پر روزہ، اور ایسی کتنی بدعات (جن کے حدود شرک سے مل جاتے تھے) مقبول عام و خاص تھیں، اولیائے و صالحین کے ایام پیدائش و وفات پر جلسے کئے جاتے تھے، اور میلے لگتے تھے۔

یہ صورت حال تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں امام ربانی حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) جیسے ربانی علماء اور ائمۂ مصلحین پیدا فرمائے[2]،

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم ص ۲۴۳ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" حصۂ چہارم باب پنجم ص ۲۳۶-۲۵۳

جنھوں نے شعائرِ شرک' اور غیر اسلامی ہندی رسم و رواج کا شدت سے مقابلہ کیا، بدعتِ حسنہ کی مطلقاً تردید کی، وحدۃ الوجود پر سخت نکیر کی، سنت پر عمل' اور بدعت سے کھلی ہوئی جنگ کی دعوت دی' اور ایک موقعہ پر وہ تاریخی الفاظ تحریر فرمائے جو اس قابل ہیں کہ انکو بار بار نقل کیا جائے :۔

مخدوما، فقیر را تابِ استماع امثال ایں سخناں نیست' بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہ آں نمی دہد، قائل آں سخناں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ و علی آلہ الصلاۃ والسلام در کارست نہ کلام محی الدین ابن عربی و صدر الدین قونوی و عبد الرزاق کاشی' ما را بنص کار است نہ بفص، فتوحات مدنیہ از "فتوحات مکیہ" مستغنی ساختہ است۔[1]

مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں' بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے' اور تاویل و توجیہ کا موقعہ نہیں دیتی' ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی' ہمیں محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کلام کی ضرورت ہے نہ کہ محی الدین بن عربی' صدر الدین قونوی' عبد الرزاق کاشی کے کلام کی' ہمیں نصوص کی ضرورت ہے' نہ کہ فصوص[2] کی' فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ[3] مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب نمبر ۱۰۰ ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ نولکشور کانپور ۱۹۰۶ء [2] ابن عربی کی مشہور کتاب "فصوص الحکم" کی طرف اشارہ ہے' [3] ابن عربی کی دوسری مشہور کتاب "الفتوحات المکیۃ" کی طرف اشارہ ہے۔

ان ہی کے معاصر محدث جلیل شیخ عبدالحق (ابن سیف الدین بخاری) دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے ہندوستان میں حدیث شریف کی نشرواشاعت، اور اس کی شرح وتدریس میں اپنی ساری کوششیں صرف کیں[1]، ان دونوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور ان کے مشہور اور نادرۂ روزگار فرزندوں نے قرآن وحدیث کی تعلیم، صحیح اسلامی عقائد کے بیان، اور دین خالص کی دعوت کی ذمہ داری سنبھالی، اور صحاح ستہ کی تدریس، نشرواشاعت، اور تعلیمی نصاب میں ان کو نمایاں جگہ دینے کے سلسلہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، یہاں تک کہ مرکز اسلام سے ہزاروں میل دور اس عجمی ملک میں حدیث کا بازار ایسا گرم ہوا، اور یہ علاقہ طالبان علوم حدیث کا ایسا مرکز ومرجع بن گیا کہ دور دراز کے ممالک اور خود بلاد عربیہ سے علم حدیث کے شائقین وطالبین نے یہاں آکر فن حدیث کی تحصیل وتکمیل کی۔[2]

تیرھویں صدی کے پورے عالم اسلام میں اصلاح وتجدید کی سب سے زیادہ طاقتور اور مؤثر تحریکیں ہندوستان میں ظہور پذیر ہوئیں، قارئین کے لئے صرف حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی ہمہ گیر اصلاحی تحریک[3] کا مطالعہ کافی ہوگا، جس نے اس ملک کو ایک نئے ملک اور اس قوم کو ایک نئی قوم میں تبدیل کردیا، اور جس کی بدولت ایمان وحمیتِ اسلامی، جوش وولولۂ جہاد، دین حنیف اور صحیح اسلامی عقائد کی دعوت کی ایسی تیز، جاں فزا اور روح پرور ہوائیں چلیں، جن سے قرون اولیٰ، اور عہد صحابہؓ کی یاد تازہ ہوگئی، دین خالص کی اس دعوت

---

[1] ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۵ یا "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

[2] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶، ۷

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مؤلف کی تصنیفات "سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ" ۱-۲ "جب ایمان کی بہار آئی" یا رسالہ "تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" اور غلام رسول مہر کی تصنیف "سید احمد شہید"۔

،ور اصلاحی تحریک نے کتنی ہی مردہ سنتوں کو زندہ کیا، اور کتنی بدعات و خرافات، اور جاہلی عادات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جو مسلم معاشرہ اور مسلمانوں کی طبیعتوں میں رچ بس گئی تھیں، ان کے بعد ان کے خلفاء اور ان کے خلفاء کے خلفاء نے یہ سلسلہ جاری رکھا[1]، یہ سب کچھ سنت کے اثر، اور حدیث نبوی کی نشر و اشاعت کے طفیل ہوا، پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ اگر علمائے اسلام کی دسترس میں کتب حدیث نہ ہوتیں، اور سنتوں و بدعتوں میں تفریق و امتیاز کا یہ معتبر و سہل ذریعہ نہ ہوتا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے عہد سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۶ھ) کے عہد تک مصلحین امت، اور دین خالص کے مبلغین کا یہ سلسلہ وجود میں نہ آتا، مصلحین روزگار اور تصحیح عقائد و اصلاح رسوم کے علمبردار نظر نہ آتے، جن میں سے چند کے (بطور مثال) نام پیش کئے جاتے ہیں، علامہ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۵ھ) امیر محمد بن اسماعیل صنعانی (م ۱۱۸۲ھ) احمد بن عبداللہ بن ادریس حسنی (م ۱۲۹۳ھ) مولانا عبداللہ غزنوی امرتسری (شیخ محمد اعظم کابلی) (م ۱۲۹۸ھ) مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ (م ۱۲۸۹ھ) مولانا غلام رسول (قلعہ میہان سنگھ پنجاب) (م ۱۲۹۱ھ) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) مولانا حسین علی ساکن واں بچھراں ضلع میاں والی (م ۱۳۶۳ھ)[2] مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) جن کے نام اور کام سے پچھلی اسلامی تاریخ منور و معطر ہے۔

اسی شب و روز کے اشتغال بالحدیث اور اس کو زندگی کے مسائل میں حکم اور قول فیصل ماننے کا نتیجہ تھا کہ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ (ابن محمد افضل دہلوی۔ متوفی ۱۲۶۲ھ) نے جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور درس و تدریس حدیث میں ان کے جانشین برحق تھے، ۱۲۵۵ھ

[1] ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "کاروان ایمان و عزیمت" شائع کردہ سید احمد اکیڈمی، لاہور۔

[2] مذکورہ بالا حضرات کے حالات و خدمات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۷۔ ۸

میں ایک طالب حق رئیس (محمد زماں خاں صاحب رئیس بھیکم پور علی گڑھ) کے استفسارات کے جواب میں "مسائل اربعین فی بیان سنۃ سید المرسلین" کے نام سے فارسی میں ایک رسالہ تالیف فرمایا[1] جس میں شادی وغمی کی ہندوانہ رسوم اور بدعات مروجۂ ہندوستان کی (جو زیادہ تر تقریبات سے تعلق رکھتی ہیں) واضح اور فیصلہ کن انداز میں تردید فرمائی گئی ہے، اس کتاب سے اس وقت کے ہندوستانی مسلم معاشرہ کو بڑا فائدہ پہنچا اور بہت سے خاندانوں نے اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنالیا، اور تقریبات شادی وغمی کے موقع پر سنت وشریعت کے احکام کی پابندی اختیار کی۔

اس سے پیشتر مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا، جو سنت وبدعت کی علمی تعریف و تشریح کے موضوع پر بہترین رسائل وکتب میں شمار ہونے کے قابل ہے، لیکن اس کا طرز محققانہ عالمانہ اور اصولی ہے، اور اس سے اونچے پائے کے اہل علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں "مسائل اربعین" زیادہ عام فہم ہے اور اس کا تعلق ان بدعات ورسوم سے ہے، جو اس وقت کے مسلم معاشرے میں عام تھیں، اور روزمرہ کی زندگی میں داخل ہو چکی تھیں۔

یہی حال دوسرے عرب ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، ومراکش اور عجمی ممالک افغانستان اور ترکستان وغیرہ کا ہے۔

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں افغانستان (کابل وہرات وغزنی) کے علماء کے حالات پڑھئے، اور ان کی تصنیفات دیکھئے، حمایت سنت، وردِ بدعت، علمی تحقیق اور مسائل کی تنقیح کا رنگ بہت کم نظر آئے گا، دفعۃً علامہ ملا علی قاری (علی بن سلطان محمد ہروی

---

[1] یہ رسالہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے، اور پہلی مرتبہ ۱۳۱۲ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا، اس میں چالیس رسوم مروجہ کے بارے میں حکم شرعی بیان کیا گیا ہے۔

م ۱۱۴۱ھ) کی شخصیت سامنے آتی ہے، جنھوں نے حجاز جاکر وہاں کے محدثین عظام اور اساتذۂ کبار سے کتب حدیث کا درس لیا، اور اس میں کمال پیدا کیا، کتب حدیث وفقہ کی شرح، مسائل کی ترجیح، اور اپنے زمانہ کی بعض بدعات کی بلا رورعایت تردید میں ان کا یہ مصلحانہ ومحققانہ رنگ صاف جھلکتا ہے، ان کو ان کے مطالعہ وتحقیق اور حق گوئی اور انصاف پسندی نے اس مقام تک پہونچادیا کہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی حمایت کی، اور اس کی شہادت دی کہ وہ اکابر اہل سنت وجماعت اور اولیائے امت میں سے تھے[1]

عراق میں علامہ شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی (م ۱۲۷۰ھ) صاحب "تفسیر روح المعانی" اور ان کے پوتے محمود شکری بن عبداللہ بن شہاب الدین آلوسی (م ۱۳۴۲ھ) کا رنگ اپنے عہد کے علمائے عراق میں اسی درس ومطالعۂ حدیث کے اثر سے بالکل مختلف وممتاز نظر آتا ہے۔

شام میں علامہ جمال الدین القاسمی (۱۲۸۳-۱۳۳۲ھ) مصنف "قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث" و "تفسیر قاسمی" (۱-۱۲) کے اصلاحی رنگ کا اندازہ "اصلاح المساجد من البدع والعوائد" سے ہو سکتا ہے، وہ اپنے ہم عصر وہم وطن علماء میں (جن کا تمام تر اشتغال فقہ وعلوم حکمت، وادب وتاریخ سے تھا) ممتاز نظر آتے ہیں، مصر میں جامع ازہر اور علمائے کبار کی موجودگی میں (جن کا علم حدیث سے اشتغال بہت کم رہ گیا تھا[2]) بدعات کا عام شیوع تھا، مجلس میلاد، مولدِ حسینؓ، مجالس تعزیت وفاتحہ خوانی (ماتم) اور صوفیہ ومشائخ کے حلقوں میں بیسیوں منکرات رائج تھے، اور بیشتر علماء سکوت سے کام لیتے تھے، لیکن..... حدیث کے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷

[2] علامہ سید رشید رضا مصری نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ دسویں صدی ہجری کے بعد سے مصر وشام وعراق میں علم حدیث میں بڑا انحطاط آگیا تھا، اور چودھویں صدی ہجری میں تو یہ انحطاط اپنے آخری مرحلہ پر پہونچ گیا تھا" (مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ ص ق)

اثر اور سنت کی قوت تسخیر نے مصر کے ایک عالم اور ازہر کے ایک استاد شیخ محمود خطاب سبکیؒ کو پیدا کیا (۱۲۷۴-۱۳۵۲ھ) جنھوں نے مصر میں علم اصلاح بلند کیا، بدعات و منکرات کی تردید کا منظم کام شروع کیا اور اس مقصد کے لئے ۱۳۳۰ھ میں ایک جمعیت قائم کی جس کا نام "الجمعیۃ الشرعیۃ لتعاون العاملین بالکتاب والسنۃ المحمدیۃ" تھا، واعظ اور مبلغ تیار کئے، جنھوں نے مصر کے قصبات اور دیہاتوں کا دورہ کیا، مصر کی مساجد سے ان بدعات اور نئی نئی باتوں کو خارج کیا جو مساجد کا ایک لازمہ بن گئی تھیں، اور سنت کے مطابق عبادات و فرائض کو ادا کرنے کا رواج عام کیا،[۲] خود ہندوستان میں علمائے فرنگی محل میں (جن کا علمی تبحر مسلّم ہے اور جن کا ترتیب دیا ہوا نصاب ہندوستان، افغانستان و ترکستان میں آج تک مقبول و رائج ہے) فخر المتاخرین مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ (م ۱۳۰۴ھ) کا (رسوم مروجہ اور بدعات کے بارے میں) رنگ الگ نظر آتا ہے، جس کے نمونے ان کے فتاوے میں دیکھے جا سکتے ہیں، اور یہ ان کے اشتغال بالحدیث اور تدریس و خدمت کتب حدیث کا نتیجہ ہے، وہ خود تحدیث بالنعمہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام تھا کہ اس نے مجھے فن حدیث و فقہ حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی توفیق عطا فرمائی۔[۳]

امت میں دینی ذوق اور اسلامی مزاج کا تسلسل و توارث

حدیث و سنت کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل اس وقت تک باقی رہا، اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا

---

[۱] حالات کے لئے ملاحظہ ہو "مذکرات سائح فی الشرق العربی" ص ۲۳-۲۵

[۲] راقم نے اپنے سفر مصر ۱۹۵۱ء میں ان کی کوششوں کے اثرات دیکھے، اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب، اور خود ان کے صاحبزادہ شیخ امین خطاب سے ملاقات کی (ملاحظہ ہو شرق اوسط کی ڈائری)

[۳] النافع الکبیر ص ۱۵۴

"مزاج ومذاق" ایک نسل سے دوسری نسل، اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا، جب وہ "مزاج ومذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہوگیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے، جو صحابہ کرامؓ کے مزاج ومذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ وخشیت، وہی استقامت وعزیمت، وہی تواضع واحتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت، اور جذبۂ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ وشغف کا نتیجہ ہے، یا ان لوگوں کی صحبت وتربیت کا فیض ہے جنھوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبویؐ سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی ومزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط ومادیت تک برابر قائم ہے۔

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج ومذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم ورواج پر، روحانیت کا اثر مادّیت پر غالب ہے، باقی رہے گا، اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادّیت، انکار آخرت، اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی، اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں، اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہونچا رہے ہیں!

اوراس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے "محروم الارث" منقطع الاصل، اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں، یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں، تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرامؓ کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبویؐ سے پیدا ہو سکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے، اور جس میں عہد نبویؐ کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

انکار حدیث کے نئے محرکات و عوامل

مغربی نومسلم فاضل محمد اسد (LEOPOLD WEISS) نے سنت سے دامن چھڑانے اور حدیث کا انکار کرنے کا حقیقی سبب (جس کے داعی اس دور میں پھر اس کا بیڑا اٹھا رہے ہیں) نئی نسل کی نفسیات اور مغربی تہذیب کے غلبہ اور طاقت سے مکمل واقفیت کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ مغربی تہذیب کی قدروں اور پیمانوں، اور اس کے طرز زندگی اور فیشن، اور سنت نبویؐ میں کبھی گٹھ جوڑ نہیں ہو سکتا، اور اس زندگی کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گہری محبت، اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد اور سنت کے مراجع اور مآخذ پر پورے یقین اور اطمینان پر مبنی ہو، مغربی تہذیب کی تعظیم و تقدیس اور اس کو علم انسانی کی آخری دریافت سمجھنے کے تصور کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا، غالباً بعض اسلامی ممالک کے حکام اور سیاسی لیڈران کے سنت پر حملہ اور انکار حدیث کا یہی سبب ہے، محمد اسد

لکھتے ہیں :-

"آج جبکہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کا اثر و نفوذ بہت بڑھ چکا ہے' ہم اُن لوگوں کے تعجب انگیز رویہ میں جن کو "روشن خیال مسلمان" کہا جاتا ہے' ایک اور سبب پاتے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا، اور زندگی میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنا ناممکن ہے' پھر موجودہ مسلمان نسل اس کے لئے تیار ہے کہ ہر مغربی چیز کو عزت کی نگاہ سے دیکھے' اور باہر سے آنے والے ہر تمدن کی اس لئے پرستش کرے کہ وہ باہر سے آیا ہے' اور طاقتور اور چکدار ہے' مادّی اعتبار سے یہ افرنگ پرستی ہی اس واقعہ کا سب سے بڑا سبب ہے کہ آج احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سنت کا پورا نظام رواج نہیں پا رہا ہے، سنت نبویؐ ان تمام سیاسی افکار کی کھلی اور سخت تردید کرتی ہے' جن پر مغربی تمدن کی عمارت کھڑی ہے اس لئے وہ لوگ جن کی نگاہوں کو مغربی تہذیب و تمدن خیرہ کر چکا ہے' وہ اس شکل سے اپنے کو اس طرح نکالتے ہیں کہ حدیث و سنت کا بالکلیہ یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ سنت نبویؐ کا اتباع مسلمانوں پر ضروری نہیں، کیونکہ اس کی بنیاد ان احادیث پر ہے' جو قابل اعتبار نہیں ہیں' اور اس مختصر عدالتی فیصلہ کے بعد قرآن کریم کی تعلیمات کی تحریف کرنا اور مغربی تہذیب و تمدن کی روح سے انھیں ہم آہنگ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے[1]۔"

جو لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امت اسلامیہ کو اس حیات بخش، اور ہدایت و قوت عطا کرنے والے صاف و شفاف سرچشمہ سے (حدیث کے حجت ہونے' اور اس کی

---

[1] ملاحظہ ہو (ISLAM AT THE CROSS ROADS)

قدر و منزلت میں شکوک اور شبہات پیدا کرنے کے ذریعہ محروم کر دیں اور اس پر سے امت کا اعتماد اٹھ جائے، وہ اس عظیم نقصان سے شاید ناواقف ہیں، جو اس امت کو پہونچا رہے ہیں، وہ شاید نہیں جانتے کہ اپنی اس نامحمود کوشش سے وہ اس امت کو اپنی میراث سے محروم، اپنے آغاز سے بے تعلق، اپنی اصل سے سرگشتہ و حیران بنا رہے ہیں، اور وہ معاملہ کر رہے ہیں، جو یہودیت و مسیحیت کے دشمنوں نے، یا انقلاب زمانہ نے ان مذاہب کے ساتھ کیا، اگر وہ باہوش و حواس یہ کام انجام دے رہے ہیں تو اس امت اور اس دین کا ان سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں، کیونکہ اس کے بعد نئے سرے سے پھر اس دینی ذوق کو وجود بخشنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا، وہ ذوق جو صحابہ کرامؓ کا امتیاز تھا، اور جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہ راست صحبت، یا اس حدیث پاک کے واسطہ کے بغیر (جو اس عہد کی سچی تصویر، اس عہد کی کیفیات سے مملوء، اور اس کی عطر بیزیوں سے معطر ہے) پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

فاضل مصنف محمد اسد نے اپنی کتاب میں جس کا عنوان ہے "اسلام دوراہے پر" اسلام دشمنی کے حقیقی اسباب اور اس سازش کی خطرناکی جو مسلم معاشرہ کو اس بے بدل قوت سے محروم، اور اس بے نظیر خزانہ سے خالی کر دینا چاہتی ہے، بڑی اچھی تشخیص کی ہے، وہ کہتے ہیں:۔

"سنت نبوی ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے جس طرح کاغذ کا گھروندا[1]"

---

[1] "اسلام دوراہے پر"

انکارِ حدیث کا اثر اور اتباعِ سنت کی ضرورت اور اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :۔

"لیکن یہ اعلیٰ مقام جو اسلام کو اس حیثیت سے حاصل ہے کہ وہ ایک اخلاقی، عملی، انفرادی، اور اجتماعی نظام ہے، اس طریقہ سے (یعنی حدیث اور اتباعِ سنت کی ضرورت کے انکار سے) ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائے گا"[1]

حدیث کے حجت، اور یقینی طور پر قابلِ اعتبار ہونے کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے، اور سنت کے انکار کی دعوت دینے کے مختلف دوروں میں[2]، مختلف پیمانوں پر، اور مختلف مذہبی، سیاسی اور شخصی اغراض و مقاصد سے، اور شریعت اسلامی کی تنفیذ اور دینی پابندی کی ذمہ داری سے فرار کی خاطر ناعاقبت اندیشانہ کوششوں کے باوجود ہمیشہ سنت کا علم بلند رہا اور اس کی دعوت جاری رہی، اسلامی معاشرہ کا خمیر حدیث پاک سے تیار ہوا ہے، اور اس کے رگ و ریشہ میں حدیث سرایت کر چکی ہے، اور اس طرح اس کا جزو بدن بن چکی ہے کہ اس کو اسلامی معاشرہ کے جسم سے الگ کرنا اور محض قرآن کی بنیاد پر کوئی نیا مکمل معاشرہ قائم کرنا ممکن نہیں، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ"[3] (اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ وضاحت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے اس کو بیان کر دیں، جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے)۔

حدیث نبوی کے ساتھ ہمیشہ مطالعہ، فہم و تحقیق، اور اس کے مراجع و مآخذ کی نشر و اشاعت اور اس کے مخطوطات و نوادر کی تحقیق و طباعت وغیرہ جیسی مختلف شکلوں میں اہتمام

---

[1] "اسلام دوراہے پر"
[2] تفصیل کے لئے کتاب "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" کا دوسرا باب ملاحظہ ہو جو مختلف ادوار میں سنت کے بارے میں پیدا کئے جانے والے شبہات کے بیان میں ہے ص ۱۲۳-۱۵۳
[3] النحل - ۴۴

کیا جاتا رہا، اور اسلامی معاشرہ کا محاسبہ و جائزہ، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، ونہی عن المنکر، بدعتوں اور خرافات کی تردید، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید، عقائدی، فکری اور تہذیبی ارتداد اور مغربی تمدن کو اپنی تمام خرابیوں و کمزوریوں، اور اسلامی زندگی کے مخالف عادات، اور قوانین کے ساتھ اختیار کر لینے پر سخت نکیر کا سلسلہ ہمیشہ جوش و خروش سے اس بنیاد پر قائم رہا کہ سنت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل رہی، اور احادیث نبویہ کو قرآن کے بعد دوسرا بنیادی ماخذ یقین کیا جاتا رہا ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی ہر دور میں حق ثابت ہوتی رہی" لاتزال طائفۃ من أمتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم حتی یأتی امر اللہ وهم کذلک[1]"، (میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔)

حدیث کی حجیت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے، اور انکار سنت کا علم بلند کرتے والے اس "چراغ مصطفوی" کو اپنی کمزور پھونکوں سے بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں، "يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ[2]"

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

---

[1] عن ثوبان و معاویہ رضی اللہ عنہما " علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی متعدد اسانید و شواہد ہیں۔ [2] الصف - ۸

مفکرِ اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ؒ

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (پانچ حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی ؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاس ؒ اور اُن کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبد القادر رائے پوری ؒ

نبی رحمت ؐ مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ (تین حصے)
ارکان اربعہ
نقوشِ اقبال
کاروانِ مدینہ
قادیانیت
تعمیرِ انسانیت
حدیثِ پاکستان
اصلاحیات
صحبتے با اہل دل
کاروانِ زندگی (سات حصے)
مذہب و تمدن
دستورِ حیات
حیات عبد الحئی ؒ
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پاجا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر، فضلِ ربی ندوی ـــ فون 6601817 - 6600896

مجلسِ نشریاتِ اسلام ناظم آباد مینشن ۔۱۔کے ۳۔ناظم آباد ۱، کراچی

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی